فرزانہ خدرزئی / ڈاکٹر کرن داؤد بٹ
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج، جناح ٹاؤن کوئٹہ / اسسٹنٹ پروفیسر، سردار بہادر خان ویمنز یونیورسٹی، کوئٹہ

بلوچی اور اردو زبان کے لسانی روابط

Farzana Khadarzai/Dr. Kiran Dawood Butt
Assitant Professor, Govt.Girls Degree College, Jinnah Town Quetta/
Assistant Professor, Sardar Bahadur Khan Womens' University, Quetta

Linguistic Links between Balochi and Urdu Language

ABSTRACT
The Balochi language holds a significant position among the languages spoken in Pakistan. The accent of the Balochi language is categorized into two variations, Estern Balochi accent and western Balochi accent that is influenced by diverse civilizations, ethnicities and cultures. Geographical, social and cultural differences exist between the both accents of Balochi language. Clear signs of linkage between Urdu and Balochi can be observed by analyzing the sounds of words and scripts. Numerous Balochi words, proverbs and idioms have been borrowed from the Urdu language. There are similarities in the literary genres of both languages as well.

Keywords: *Accent, Balochi and Urdu, Balochi culture, proverbs, linguistic links, Western Balochi, Eastern Balochi, Regional language.*

پاکستانی زبانوں میں بلوچی کو دیگر اہم زبانوں کی طرح اہمیت حاصل ہے۔ بلوچستان ایک کثیر اللسان صوبہ ہے۔ یہاں بلوچی، براہوی، پشتو، پنجابی، دہوار، سرائیکی، جٹکی، کھیترانی اور ہزارگی جیسی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ تاہم بلوچی، بلوچستان کی بڑی اہم زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ بلوچی زبان کی تشکیل میں مختلف قسم کی تہذیبی، ثقافتی و لسانی آمیزش سے اس زبان کو لہجوں کی بنیاد پر دو خانوں میں منقسم کیا جاتا ہے:

۱۔ مشرقی بلوچی

۲۔ مغربی بلوچی

یہ دونوں لہجے بلوچی زبان کی شناخت کا خاص وسیلہ بنتے ہیں۔ اس زبان کی ساخت و پرداخت میں مخصوص تہذیب و ثقافت کے رنگ و اسلوب شامل ہیں۔ یہ زبان مختلف خصوصیات سے اپنی شناخت کرواتی ہے۔ بلوچی زبان

Article (1-1-2) Published on 28-12-2023
Tashkeel, Department of Urdu, University of Jhang, E mail: tashkeel@uoj.edu.pk
12KM, Chiniot Road, Jhang, Punjab, Pakistan. 047-7671240

کے ان دونوں لب و لہجوں پر اُس مخصوص تہذیب و ثقافت کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں جو مختلف قوموں کے اختلاط سے تشکیل ہوئی ہے۔ اس اختلاط نے بلوچی زبان کے تہذیبی مزاج کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر کہتے ہیں :

"بلوچوں کا تاریخی ارتقا تین ادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور اس کے مرزبوم جنوبی عرب کا، دوسرا ایران و سیستان کا اور تیسرا دور حاضر کا۔ ان تینوں ادوار کے اثرات اس کے مجموعی اور عمومی اوضاع و اطوار کی طرح بلوچی زبان پر بھی نمایاں ہیں۔۔۔ ایرانی سرحدوں کے قریب رہنے والے بلوچوں کی زبان پر فارسی زبان اور لب و لہجے کا اور مشرقی علاقوں کے بلوچوں کی زبان پر سندھی، پنجابی اور سرائیکی زبانوں کا اثر کم و بیش ضرور پڑا ہے۔ بنیادی طور پر مشرقی اور مغربی بلوچی میں لب و لہجے کا جو فرق پایا جاتا ہے وہ مخصوص جغرافیائی حالات کا نتیجہ ہے۔"(1)

بلوچی کے صرف دو لہجے ہی نہیں؛ اگر لہجوں میں باریک افتراق کو مد نظر رکھا جائے تو ان کی روشنی میں بلوچی کے مختلف لہجے نکلتے ہیں۔(2) مشرقی لہجہ مشرقی بلوچستان یعنی ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، راجن پور، ملتان، مری، بگٹی، سبی اور نصیر آباد میں بولا جاتا ہے۔ رخشانی لہجہ قلات، نوشکی، خاران، افغانستان، ایرانی بلوچستان اور ترکمانستان میں بولا جاتا ہے۔ مغربی لہجہ پاکستان میں مکران ڈویژن اور کراچی، خلیجی ممالک اور ایرانی بلوچستان میں بولا جاتا ہے۔ یہ تمام لہجے بلوچی زبان سے منسوب ہیں اور ان کی اپنی انفرادیت و اہمیت ہے۔ تاہم ادبی و علمی سرگرمیوں اور ذرائع ابلاغ کی ترسیل نے ان تمام لہجوں میں رخشانی لہجے کو انفرادیت بخشی ہے۔(3) مشرقی اور مغربی بلوچی میں لہجے و تلفظ کا یہ فرق اس طرح بھی سامنے آتا ہے کہ مشرقی بلوچی میں غ جیسے کنغ، بیغ، ٹغ، کتغ، دنگغ، وسیغ جیسے صوتی آہنگ رکھنے والے الفاظ جب کہ مغربی بلوچی میں گ مثلاً کنگ، بیگ، سٹگ، کتگ، نندگ، دسپگ، بوجگ جیسے صوتی آہنگ رکھنے والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مشرقی و مغربی بلوچستان میں طرزِ معاشرت اور تہذیبی و تمدنی افتراق بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مغربی بلوچی میں مشرقی بلوچی کے برعکس متمدن اور ترقی یافتہ طرزِ زندگی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

ہر زندہ زبان میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں ان لسانی روابط سے جڑی ہوتی ہیں جن کا دارومدار ضروریات زندگی پر ہوتا ہے۔ وقت کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق نئے الفاظ زبان میں داخل ہوتے ہیں، پرانے الفاظ متروک ہوتے ہیں، اظہار کے طریقے بدلتے ہیں، ان میں تنوع آتا ہے اور زبانیں بہاؤ کی کیفیت میں رہتی ہیں۔ یہی عوامل زبان کی زندگی کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر رؤف پاریکھ لکھتے ہیں:

"پاکستان کے تمام علاقوں میں اردو بولی جاتی ہے اور وہاں کی مقامی زبانوں اور بولیوں کے اثرات اس پر پڑنے لازمی تھے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں اردو کے لکھنے والے اکثر و

بیشتر اپنی مادری اور مقامی زبانیں بولتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں بھی یہ اثرات جھلک دکھا کر اردو کو ایک نیا اور انوکھا رنگ دیتے ہیں۔ یہ عمل اردو کو عوام سے قریب تر کرتا ہے اور اردو کی زندگی کا ضامن ہے۔ مثال کے طور پر بلوچوں نے اردو کو اپنی زبان کے مطابق ڈھالنا شروع کیا۔"(4)

بلوچی زبان میں عربی و فارسی اور اردو کا عمل دخل واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اردو کا ابتدائی سرمایہ فارسی زبان کے مرہونِ منت ہے۔ بلوچی کے بہت سے الفاظ و تراکیب اور محاورات اردو سے مستعار لیے گئے ہیں جن کا تلفظ بھی اسی انداز میں کیا گیا ہے۔ بعض الفاظ کا تلفظ ایک ہے لیکن املا میں تھوڑا بہت فرق ہے۔ ایسے الفاظ جو بلوچی اور اردو میں مشترکہ طور پر رائج ہیں، ان کی چند امثال درج ذیل ہیں:

اردو	بلوچی	اردو	بلوچی
دماغ	دماغ	دل گیر	دل گیر
دعوت	دعوت	بدلہ	بدلہ
پرہیز	پرہیز	بدقسمت	بدقسمت

بلوچی مغربی و مشرقی لہجے میں ماہرین ایک پہلو یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ دونوں میں حروف کے تلفظ کے حوالے سے بھی انفرادی شناخت ملتی ہے۔ مغربی بلوچی بولنے والے خ، ف اور ق کا تلفظ ادا نہیں کر سکتے۔ لہذا اکثر ایسے الفاظ جو اردو میں خ سے شروع ہوتے ہیں یہاں خ کی بجائے ح مستعمل ہے اس لیے خاطر کے لیے حاطر، خاتون کے لیے حاتون، خنجر کی بجائے حنجر، خیرات کی بجائے حیرات، خیر کی بجائے حیر، خاندان کی بجائے حاندان، خان کی بجائے حان کا استعمال کیا جاتا ہے۔

"یر:(ہے۔ر)بچار: خیر۔
حیرات:(ہے۔را۔ت)(ء)(ن گ)خیرات۔ نیاز۔
ونڈ۔ صدقہ۔ قربان۔ کولیگ۔ سدکہ۔ شنک۔ پہ نیکی ہاتر
یاپہ بزگی زریا چیز نیز گار بزرگاں دیگ۔"(5)

کچھ الفاظ میں خ، ح کی بجائے آ میں تبدیل ہو جاتا ہے جیسے خاموشی کی بجائے آموشی آتا ہے۔ اردو میں ف سے شروع ہونے والے پ اور ھ کے تلفظ میں بدل کر فیصلہ کی بجائے پھیصلہ، فصل کی بجائے پھسل، فرمان کی بجائے

پھرمان، فردوس کی بجائے پھردوس میں بدل جائے گا۔اسی تناظر میں غلطی ، گلطی، غصہ ،گصہ، غلیل ، گلیل بن جائیں گی۔ مشرقی لہجے اور تلفظ کی انفرادیت پر انعام الحق کوثر "بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ" میں روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "جب کہ مری بگٹی وغیرہ مشرقی بلوچ گ اور پ نہیں بول سکتے۔ وہ وَرَگ (کھانا) کو دَرَغ، روگ کو روغ، شَب (رات) کو شف اور آپ (پانی) کو آف بولتے ہیں۔ یہ فقط تلفظاتی فرق ہے۔ ثانیاً ایک اور فرق جو ان میں واضح نظر آتا ہے وہ 'ث' اور 'ذ' کا تلفظ ہے جسے مشرقی علاقوں کے بلوچ ادا کر سکتے ہیں اور لفظ کے آخری حرف 'یا' کو 'ث اور ذ' میں بدل دیتے ہیں۔"(6)

تلفظ اور لہجوں کا یہ اختلاف وہ لسانی تغیرات ہوتے ہیں جن کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ یہ تغیرات جغرافیائی ماحول، تاریخی پس منظر اور سماجی تبدیلیوں کے تحت وقتاً فوقتاً رونما ہوتے ہیں۔ زندہ زبانیں وقت، ضرورت اور تقاضوں کے مطابق خود کو ان مخصوص سانچوں میں ڈھال لیتی ہیں۔

بلوچی اور اردو کے صوتی ڈھانچے پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بلوچی زبان کے اکثر مصوتے فارسی و اردو سے ماخوذ ہیں ۔فارسی میں پانی کے لیے آب، جب کہ بلوچی میں، آپ؛ اردو میں رات کے لیے شب اور بلوچی میں رات کے لیے شپ مستعمل ہیں۔ کچھ الفاظ اردو اور بلوچی میں یکساں املائی نظام کے ساتھ رائج ہیں مگر کچھ الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے لفظ "چھاپہ" اردو میں عموماً بمعنی دبوچنا، جھپٹنا کے، جب کہ بلوچی میں نقش یا عکس کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے؛ اردو میں "چھاپہ" بطور نقش کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لفظ "خاطر" اردو میں دلجوئی، پاس یا مدارت جب کہ بلوچی میں لحاظ داری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لفظ "چاکر" اردو میں نوکر، ملازم یا نوکری کے لیے جب کہ بلوچی میں چاکری، بہادری، نوکری اور چالاکی و ٹھگی کے لیے مستعمل ہے۔ اردو میں لفظ "جمعدار" ایک دور میں اچھا پروقار منصب رکھنے والے شخص کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اردو کا ماحول بدل جانے کے بعد اب یہ لفظ اردو میں معمولی درجے کے پیشہ کو اپنانے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بلوچی میں لفظ "جمادار" مزدور یا مستری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو میں لفظ "بازار" اس جگہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جہاں خرید و فروخت ہو جب کہ بلوچی میں شہر کے لیے مستعمل ہے۔ لفظ "سوٹ" اردو میں بمعنی کپڑے کا جوڑا جب کہ بلوچی میں بمعنی تمباکو یا چلم کا کش؛ اردو میں لفظ "شُکر" بمعنی مہربانی کا اعتراف بلوچی میں منت یا صفائی؛ بلوچی میں لفظ "شکل" بمعنی رنگ یا سجل جب کہ اردو میں صورت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض الفاظ ایک ہی تلفظ اور معنی کے ساتھ مگر املا کے معمولی تغیر کے ساتھ دونوں زبانوں میں مستعمل ہیں، جیسے :

اردو	بلوچی	اردو	بلوچی
چراغ	چراگ	تریاق	تریاک
تالاب	تالاپ	جراب	جوراب
رومال	دزمال	گھڑی	گھڑیال

بلوچی زبان میں سکڑنے اور سمٹنے کی بہ جائے کشادگی کا تخلیقی رجحان پایا جاتا ہے۔ اثر و نفوذ کے اس سلسلے کی ایسی مثبت خصوصیت کی وجہ سے اس میں ارتقا کا مادہ موجود ہے جو زبان کی زرخیزی و زندگی کی ضمانت ہے۔ وقتاً فوقتاً ضرورت کے تحت بہت سے الفاظ و محاورات اختراع کیے جاتے رہے۔ اردو اور بلوچی زبان میں مشترک ضرب الامثال کے حوالے سے "بلوچی زبان وادب" میں اثیر عبدالاالقادر شاہوانی لکھتے ہیں:

"جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں	گریت نہ دریت
یہ منہ اور مسور کی دال	لچک پہ برنج پشی پہ ترنج
آستین کا سانپ	آستونک ئِ مار
اپنا اپنا غیر غیر	دگر دگرے وتی جگرے
صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے	صبر ئِ پد دُمبگ انت" (7)

ان ضرب الامثال کے علاوہ بلوچی زبان میں اور بھی بہت سے ایسے ضرب الامثال ہیں جو دونوں زبانوں میں مشترک لسانی روابط و رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں۔(8) نیم حکیم خطرہ جان: نیم طبیب خطرہ جان انت، زبان دکھانا: للک دیگ، ظلم کا انجام برا ہوتا ہے: ظلم آسر بدانت، مصیبت پوچھ کر نہیں آتی: قضاءِ رضا نیست، سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے: مار بمریت لٹ ہم مہ پر دیشت، پہلے تولو پھر بولو: گپ ئِ بجاہ ئِ دُر کن، پیٹ کاٹ کر بچانا: لاپ ءِ کرُینگ، اتفاق میں برکت ہے: یک مردے چِتر ئِ گوات بارت، جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے: دپگیس مردء میش نر کاریت اور دور کے ڈھول سہانے: ڈھل ءِ توار چہ دور ئُوش جیسے مشترک ضرب الامثال دونوں زبانوں کے گہرے میل جول اور مضبوط سماجی رابطوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ لسانی ارتقاء میں نئے نئے اصول و نظریات حصہ لے

کر زبانوں پر مثبت اثرات ثبت کرتے ہیں۔اردو اور بلوچی میں الفاظ،معانی، املا، تلفظ، ضرب الامثال کے علاوہ محاورات کے اشتراک کا تعلق بھی پایا جاتا ہے۔اردو اور بلوچی محاورات کی یکسانیت دونوں زبانوں کی لسانی ہم آہنگی کا ثبوت ہیں۔

قبائلی زبانوں میں تحریر کا رواج نہیں ہوتا۔ ان زبانوں کی اصوات اور آوازوں کی درست تفریق کے ذریعے ان کے لیے رسم الخط فراہم کیا جاتا ہے۔دوسری زبان سے لیے گئے رسم الخط میں ضرورت کے مطابق اخذ و ترک کے اصول کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ محققین بلوچی زبان کی قدامت کا دعویٰ ضرور کرتے ہیں لیکن تحریری ادب کی عدم دستیابی کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔بلوچی ادب کا زیادہ تر حصہ سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے لوک گیت،داستانیں، محاورات اور ضرب الامثال ہیں۔سید ظہور شاہ ہاشمی کے مطابق بلوچی زبان کے دور جدید کا آغاز قیام پاکستان سے شروع ہوا۔ بلوچی زبان ۱۹۵۰ء کے بعد کی کتابت و خطابت کا ذریعہ بنی۔بلوچی زبان میں رسم الخط کے حوالے سے بھی کافی متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔مورخین و محققین میں اس حوالے سے ٹھوس اور مستند شواہد کی عدم موجودگی کی وجہ سے کسی فیصلے پر متفق ہونا دکھائی نہیں دیتا۔سید ظہور شاہ ہاشمی بلوچی زبان و ادب کی تاریخ میں رسم الخط کی بحث چھیڑتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "بلوچوں کی تاریخ کے دور ناخواندگی میں تو تمام اشعار ازبر کیے جاتے تھے لیکن جب فارسی تعلیم بلوچستان تک پہنچی جو اکثر و بیشتر ملاؤں اور مذہبی پیشواؤں کے ذریعے ہوئی تو دوسرے دور کے بلوچی شعرا نے اپنا اپنا کلام لکھ کر محفوظ کرنا شروع کر دیا۔ چوں کہ فارسی زبان بھی عربی رسم الخط میں لکھی جارہی تھی تو بلوچی زبان بھی اسی رسم الخط میں لکھنا شروع کی گئی اور شعرا اپنا کلام اسی رسم الخط میں لکھتے تھے۔"(9)

جب انگریز مستشرقین نے بلوچی شعری ادب اکٹھا کرنا شروع کیا تو وہ ساتھ ساتھ منتشر نثری ادب بھی اکٹھا کرنے لگے۔انگریز چوں کہ رومن رسم الخط جانتے تھے اس لیے انھوں نے بلوچی ادبیات کو رومن رسم الخط میں محفوظ کرنا شروع کیا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بلوچی رسم الخط رومن ہے۔ انگریزوں کی عربی رسم الخط سے ناواقفیت کی وجہ سے بلوچی ادب رومن رسم الخط میں تخلیق کیا جانے لگا۔ اس رسم الخط کو اختیار کرنے کا مقصد دراصل اپنے لوگوں کی تعلیم و تربیت تھی۔بعد میں انگریزوں نے عربی رسم الخط پر اس حد تک دسترس پالی کہ بلوچی زبان کے اولین بلوچی یا عربی رسم الخط کو مغربی ممالک میں متعارف کروایا۔ سید ظہور شاہ ہاشمی کے ہاں بلوچی رسم الخط کے حوالے سے کوئی مستند بیان نہیں ملتا۔عربی رسم الخط کو بلوچی رسم الخط دیتے ہوئے وہ خود اس رسم الخط کی نوک پلک سنوارتے ہیں :

"سب سے پہلے راقم الحروف نے بلوچی رسم الخط کی طرف توجہ دی اور بلوچی آب (حروف تہجی) متعین کیے یعنی اردو میں مستعمل الف با میں سے عربی کے ایک درجن حروف کو ساقط کر کے نکال دیا کیونکہ بلوچی زبان میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ حروف مستعمل ہیں۔۔۔علاوہ ازیں بلوچی زبان کی ضروریات کے مطابق نئے علامات ونشانات وغیرہ متعین کر کے بلوچی رسم الخط کی تکمیل کی۔"(10)

اپنے پیش کردہ رسم الخط کا نام سرچمگ املار کھا۔اس رسم الخط کو غیر مقبول رکھنے کی ہر سازش کی گئی۔نام لیے بغیر میر گل خان نصیر کا ذکر کرتے ہیں کہ جب وہ وزیر تعلیم بنے تو انھوں نے بلوچی زبان کے لیے طے کردہ رسم الخط کی بجائے رومن رسم الخط کو رائج کرنے کا اعلان کیا لیکن چوں کہ "سرچمگ املا" نے بلوچی رسم الخط کے تمام تقاضوں کو پورا کر دیا ہے اس لیے اس سلسلے میں نئے اصول وضع کرنا آسان نہیں ہے۔اس میں کافی مسائل اور پیچیدگیاں حائل ہونے کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ان کے مطابق آج سارے بلوچستان بلکہ بیرون بلوچستان تمام بلوچ اسی رسم الخط کو اپنائے ہوئے ہیں۔بلوچی رسم الخط آج بھی کسی متفقہ رائے کی بجائے متضاد بیانات کا شکار نظر آتا ہے۔جس رسم الخط کو ظہور شاہ ہاشمی مکمل اور مستند قرار دیتے ہوئے اپنے فرض سے سبک دوش ہو جاتے ہیں اسے ڈاکٹر شاہ محمد مری تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ایک بہت بڑا موڑ سید ظہور شاہ ہاشمی نے بھی دینے کی کوشش کی اور باقاعدہ بلوچی لکھنے کا صحیح طریقہ بتانے کے لیے ایک کتاب تک لکھ ڈالی مگر اُس کی کتاب' ایک انتہا سے دوسری انتہا تک چھلانگیں مارتے رہنا' ثابت ہوئی۔"(11)

آغا نصیر خان نے بلوچی گرائمر، عزیز محمد بگٹی نے بلوچی اردو بول چالا ور ہفت زبانی لغت کو مرتب کرنے والے محققین و مورخین اپنے اپنے طور پر کچھ حروف تہجی کو حذف اور کچھ کو اخذ کر کے رسم الخط کی الجھی گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اگر اصوات سے بے بہرہ ہو کر رسم الخط تجویز کیا جائے تو یقیناً اس میں مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔بات بلوچی تحریری زبان میں رسم الخط کے تعین کی ہو یا حکومتی سطح پر سرپرستی نہ ہونے کی، یہ بات طے ہے کہ بلوچی زبان کا تحریری ادب بہت تاخیر سے شروع ہوا، اس لیے کہ ذخیرہ الفاظ اور رسم الخط ہی زبان کی تحریری شناخت کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ بلاچی زبان کی ترقی و نشوونما کا خوش آئند پہلو یہ ہے کہ اس زبان نے کشادگی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی بول چال کی زبان کے ذخیرہِ الفاظ سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کے علاوہ دیگر علاقائی زبانوں کے الفاظ سے بھی فائدہ اٹھانے سے گریز نہیں کیا۔ سرچمگ املا پر مبنی رسم الخط بلوچی زبان کی آوازوں کو سو فیصدی طور پر ادا کرنے سے قاصر تھا اس لیے اس پر اعتراضات کیے گئے۔

بلوچی زبان کے قالب میں اردو کے الفاظ وتراکیب، ضرب الامثال اور محاورات اس طرح ڈھل گئے ہیں گویا یہ اسی زبان کا حصہ تھے۔ روچ وشب (شب و روز)، جنتِ عطراں (عطر جنت)، سپت و ثنا (صفت و ثنا)، چھم ئَ گوش (آنکھ اور کان)، روزی وخوراک (روٹی اور رزق)، انسانی زندئَ (انسانی زندگی)، دلئِ زفگانی (دل کی بھڑاس)، جسم وجونئَ (جسم وجان)، شدھ ءبدھ (سدھ بدھ)، صحر او دشت (دشت وصحرا)، حسابئَ کتاب (حساب وکتاب)، جنگئُ جدل (جنگ وجدل)، آب ءدانہ (آب ودانہ)، چست ئُ وچالاک (چست وچالاک)، حاظر ئُ ناظر (حاظر وناظر)، حالئُ احوال (حال واحوال)، مرغِ سحر (مرغِ سحر)، کوہِ راس (کوہِ راس) جیسے مرکبات ایک دوسرے سے قربت رکھتے ہوئے گھلے ملے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری لکھتے ہیں:

> "محاورے، کہاوتیں اور ضرب الامثال کسی بھی زبان کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔۔۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پڑوسی زبانوں سے تین تین چار ضرب الامثال، انھی زبانوں میں سالم طور پر بلوچی میں مستعمل ہیں۔"(12)

بلوچی زبان وادب میں اردو کی نقش گری کا عکس اس کے محاورات میں بھی بہ حسن وخوبی دکھائی دیتا ہے۔ دریادل، دم بہ دم، دل ترک گنگ (حواس باختہ ہونا)، دپ جنگی کنگ (ٹس سے مس نہ ہونا)، دنتاں دروشگ (دانت پیسنا)، وش کناں زڑدا (دل باغ باغ ہونا)، دست لگاشگ (ہاتھ ملنا، افسوس کرنا)، دیم پہ دیم بوگ (الجھ جانا)، دلئِ زفگانی ریمگ (دل کی بھڑاس نکالنا)، راڑراڑ کنگ (ٹکڑے ٹکڑے کر دینا)، زردی مان شانگ (چہرہ فق ہونا)، ساہ مان بوگ (جان میں جان آنا)، زگگ نہ کنگ (ٹس سے مس نہ ہونا)، سوکلو دیگ (منہ چڑانا)، سُرئَ دارگ (ہاں میں ہاں ملانا)، ساسا کنگ (عبرت حاصل کرنا)، ساہ بہر گنگ (جان نثار کرنا)، زوراں سری کنگ (زبردستی کرنا)، رُلیہ بوگ (آوارہ گردی کرنا)، لیلا کنگ (منت سماجت کرنا) اور قول کنگ (زبان دینا) قرابت داری کے یہ محاورات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اردو ماخذ ہی سے بلوچی زبان میں آئے۔ ان الفاظ وتراکیب، محاورات اور ضرب الامثال کی بلوچی میں تعداد کثیر ہے۔

بلوچی اور اردو کی ادبی اصناف میں بھی اشتراک پایا جاتا ہے۔ دونوں زبانوں کی چند ادبی اصناف ایک کے اثر سے دوسرے ادب میں داخل ہوئیں۔ ان دونوں زبانوں کا ادبی تعلق ان کے ربط کی دلیل ہے۔ اردو شاعری میں گیت کی روایت ملتی ہے۔ ان گیتوں کی ابتدا سینہ بہ سینہ چلنے والے لوک گیتوں سے ہوئی جنھیں بعد میں تحریری ادب کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بلوچی زبان میں قدیم لوک گیتوں کی بنیاد ان چرواہوں سے پڑی جو اپنی بھیڑ بکریوں کو چراتے وقت جھلسا دینے والی گرمی اور ٹھٹھرا دینے والی سردی کا مقابلہ دل کش گیت گا کر کرتے تھے۔ ان لوک گیتوں میں مخصوص جغرافیائی تہذیب و روایت کا عکس ملتا ہے۔ قدیم بلوچی شعرا نے مثنوی کی طرز پر منظوم عشقیہ داستانیں

لکھیں۔ ان منظوم داستانوں میں افسانوی انداز، نفسیاتِ انسانی، مکالموں کے زیر اثر ابھرنے والی ڈرامائی کیفیت، مثنوی کا سحر افزا اندازِ بیان برت کر شعرا نے افسانوی اور شعری اوصاف کو یکجا کر لیا۔ بلوچی میں اردو کی طرح حمد، نعت، غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ پر طبع آزمائی کی گئی۔ بلوچی لولی ہو یا اردو لوری ہو مقصد ممتا کے جذبات و احساسات کا ایک مخصوص طرز و انداز سے بیان ہے۔ اردو شخصی مرثیہ ہو یا بلوچی موتک، دونوں میں موت کا بیان ملتا ہے۔ بلوچی سپت ہو یا حمد و نعت دونوں دینی موضوعات پر مبنی ہیں۔ نثری اصناف میں اردو نثری اصناف کی طرح لوک کہانیاں، داستانیں، افسانہ، ڈراما اور ناول لکھے گئے۔ بلوچی ادب کے مصنف غوث بخش صابر لکھتے ہیں:

"بلوچی کی رزمیہ و عشقیہ داستانیں ڈرامے کی قدیم ترین شکل ہے اس میں راوی ،کردار ہر ایک نظم میں اظہارِ خیال کرتا ہے۔"(13)

بلوچی شعرا نے اپنے کلام میں بلوچستان کی مخصوص فضا میں پروان چڑھنے والی تلمیحات ،علامات اور تشبیہات و استعارات کا استعمال کیا۔ اردو کی طرح بلوچی زبان کا ادبی و لسانی سرمایہ فارسی کے مرہونِ منت ہے۔ خضدار سے تعلق رکھنے والی فارسی کی پہلی شاعرہ رابعہ خضداری کے حوالے سے ڈاکٹر انعام الحق کوثر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اردو، فارسی اور عربی میں آج تک جتنی تلمیحات کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا آغاز رابعہ نے کیا۔ "بلوچستان چند پہلو" میں لکھتے ہیں :"اسی نے پہلی دفعہ فارسی شاعری میں لیلیٰ مجنوں کی داستان بطور تلمیح استعمال کی۔" (14) پھر یہ کیسے ممکن نہیں کہ بلوچی زبان میں یہ معروف تلمیحات مستعمل نہ ہوں۔ اسی کتاب کے ص ۵ پر انعام الحق کوثر نے بلوچی شاعر ملا رگام وشی کی بلوچی نظم تحریر کرتے ہوئے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ اگر چیتا اونٹوں کا محافظ ہو تو پھر قارون بھی موسیٰ پر مہربان ہو سکتا ہے:

"سرزمینِ بلوچستان میں فارسی زبان و ادب کا اثر عمیق اور ناقابلِ فراموش ہے۔ ریاست قلات میں 1930ء کے لگ بھگ دربار میں اسی کا رواج تھا۔ اس خطے کی معروف داستان سسی پنوں کئی بار فارسی کا لبادہ پہن چکی ہے۔" (15)

سسی پنوں، لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کی معروف تلمیحات محض فارسی و بلوچی تک محدود نہ رہیں بلکہ ان کا اردو میں بھی کثرت کے ساتھ استعمال دیکھنے کو ملتا ہے۔ بلوچستان کے اپنے ماحول اور یہاں کی رومانوی داستانوں سے اخذ کردہ للہ و گراناز، مست توکلی و سمو، شہداد و مہناز، حانی و شہہ مرید، دوستین و شرین، گرہر و سیمک، حمل و ماہ گنج کی تلمیحات کے ساتھ ساتھ سسی پنوں، لیلیٰ مجنوں، قارون و موسیٰ ،یوسف زلیخا، ابن مریم، یعقوب و یوسف، مصر و یوسف کی معروف تلمیحات کا استعمال بھی ملتا ہے۔ اردو اور بلوچی زبان میں عربی و فارسی اور انگریزی کے لسانی و ادبی اثرات بھی نفوذ کر گئے۔ ان عناصر کی شمولیت کے باوجود یہ دونوں زبانیں مخصوص تہذیبی وحدت کے ساتھ اپنی

انفرادیت برقرار رکھتی ہیں۔ بلوچی اور اردو کے مشترکہ الفاظ وتراکیب اور محاورات کے علاوہ مشترکہ شعری ونثری اصناف سے ڈاکٹر عطش درانی کے اس خیال کی نفی ہوتی ہے جس کے تحت وہ کہتے ہیں کہ بلوچی میں الفاظ مستعار لینے کا رجحان بہت کم ہے:

"پاکستانی زبانوں میں ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کے باعث یہ عمل بہت ہو رہا ہے ۔سب سے زیادہ اردو، پھر پنجابی، ہندکو، سرائیکی میں ہے بہت حد تک سندھی میں بھی یہ عمل جاری ہے۔ بلوچی میں قدرے خفیف ہے۔"(16)

بلوچی زبان نے ضرورت کے تحت بہت سے الفاظ اردو سے مستعار لیے ہیں اور بلوچستان کی مخصوص فضا میں پروان چڑھنے والی بلوچی عشقیہ داستانوں کا قصہ تلمیح بن کر اردو کے مزاج سے گھل مل گیا ہے:

"میں ایک
بے قیمت مرید
کیسے اس گدان کو
ہیرا کرلوں
لال وگہر سے
بھر دوں
جہاں میری
حائل کے
پیروں کے گلاب
پڑتے تھے کبھی"(۱۷)

حائل شہہ مرید، گدان کی بلوچی پیوند کاری سے دونوں میں یکسانیت اور اثر ونفوذ کا منفرد انداز دکھائی دیتا ہے۔ بلوچی اور اردو میں لفظیات، علامات، تراکیب اور تلمیحات کے ربط اور تعلق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مجموعی طور پر بول چال کے کئی الفاظ اور معمولی املائی تغیرات کے ساتھ کئی الفاظ وتراکیب کے علاوہ متعدد محاورات وضرب الامثال اردو اور بلوچی کے مابین مشترک ہیں۔ جیسا کہ دماغ، دل گیر، دعوت، بدلہ، پرہیز اور بدقسمت وغیرہ اردو اور بلوچی میں مشترک الفاظ ہیں۔ چراغ اور چراگ، تالاب اور تالاپ، رومال اور دزمال، جراب اور جوراب، تریاق اور تریاک، گھڑی اور گھڑیال وغیرہ میں معمولی صوتی و املائی تغیر موجود ہے تاہم الفاظ کی اساسی نوعیت میں یکسانیت ہے۔ اسی طرح خاموشی اور آموشی، فیصلہ اور پھیصلہ، فرمان اور پھرمان، غلطی اور گلتی جیسے الفاظ میں صوتی تفرق موجود ہونے کے باوجود مماثلت ہے۔ اردو اور بلوچی میں دانت پیسنا اور دنتاں دروشگ، چہرہ فق ہونا اور زردی مان

شانگ، زبان دینا اور قول کنگ جیسے محاورات اور جو گرجتے ہیں وہ برستے نہیں اور گریت نہ دریت، آستین کا سانپ اور آستونک یِ مار، اپنا اپنا غیر غیر اور د گرد گرے وتی جگرے جیسی ضرب الامثال میں معنوی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

حوالہ جات

1۔انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، "بلوچی اور اردو کے لسانی و ثقافتی روابط"، مشمولہ: پاکستان میں اُردو (پانچ جلدوں میں)، دوسری جلد: بلوچستان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، س ن، ص ۲۱۸

2۔شاہ محمد مری، ڈاکٹر، بلوچی زبان و ادب، کوئٹہ: گوشۂ ادب، 2014ء، ص ۶۳ تا ۶۷

3۔شائستہ بخاری، پروفیسر، انٹرویو، انٹرویور: مقالہ نگار، بمقام: گرلز ڈگری کالج جناح ٹاؤن کوئٹہ، 2 اکتوبر 2023ء

4۔رؤف پاریکھ، ڈاکٹر، "پاکستانی زبانیں، تحتی بولیاں اور قومی یکجہتی"، مشمولہ: تحقیق، شمارہ 16، جام شورو: شعبۂ اردو جامعہ سندھ، 2008ء، ص ۶۰

5۔دشتی، جان محمد، بلوچی لبزبلد (لغت)، کوئٹہ: بلوچی اکیڈمی، 2015ء، ص ۵۵۲

6۔انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1991ء، ص ۶۱

7۔عنبر پنجگور، "بلوچی زبان یِ بتل"، مشمولہ: بلوچی زبان و ادب، مرتب: عبد القادر شاہوانی اثیر، کوئٹہ: بلوچی اکیڈمی، 2012ء، ص 55

8۔نرگس بلوچ، ایسوسی ایٹ پروفیسر، انٹرویو، انٹرویور: مقالہ نگار، بمقام: گرلز ڈگری کالج جناح ٹاؤن کوئٹہ، 3 اکتوبر 2023ء

9۔ظہور شاہ ہاشمی، سید، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، کراچی: سید ہاشمی اکیڈمی، 1986ء، ص ۲۷۵ تا ۲۷۶

10۔ ظہور شاہ ہاشمی، سید، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، ص ۲۸۰

11۔شاہ محمد مری، ڈاکٹر، بلوچی زبان و ادب، ص ۷۱ تا ۷۲

12۔شاہ محمد مری، ڈاکٹر، بلوچی مختصر تاریخ زبان و ادب، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2014ء، ص ۴۱

13۔غوث بخش صابر، بلوچی ادب، اسلام آباد، اکادمی ادبیاتِ پاکستان، 1999ء، ص ۱۶۳

14۔انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو کی قدیم دفتری دستاویزات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1986ء، ص 4

15۔انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان چند پہلو، کوئٹہ: ادارۂ تصنیف و تحقیق بلوچستان، 2005ء، ص ۶۶

16۔ عطش درانی، ڈاکٹر، پاکستانی زبانوں کی تدریس، لاہور: نذیر سنز ایجوکیشنل پبلشرز، 2014ء، ص ۳۶
17۔ سمی پرواز، ڈاکٹر، عذاب لمحوں کے غمکدے میں، تربت: جمشید پبلی کیشنز، 2009ء، ص ۱۱۶

References in Roman Script:

1. Inam Ul Haq Kousar, Dr, "Baluchi awr Urdu Kay Lissani-o Saqafti Anasir", Mashmoola: Pakistan Mein Urdu (Panch Jildon Mein), Dusri Jild: Baluchistan, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, S N, P218
2. Shah Muhammad Murree, Dr, Baluchi Zaban o Adab: Balochi Zaban kay mutaliq Maloomat, Quetta: Gosha-I Adab, 2014, P 63-67
3. Shaista Bukhari, Professor, Interview, Interveiwer: Author of the Article, At Govt Girls Degree Collage, Jinnah Town, Quetta, 2october2023.
4. Rauf Pareekh, Dr, "Pakistani Zabanein, Tahti Boliyan awr Qaumi Yakjehti", Mashmoola: Tahqiq, Issue 16, Jamshoro: Shu'ba-I Urdu Jamia Sindh, 2008, P60
5. Dashti, Jan Muhammad, Baluchi libner Bald (Dictionary), Quetta: Baluchi Academy, 2015, P 552
6. Inaam Ul Haq Kousar, Dr, Baluchistan mein Boli Jany wali Zabanon ka Taqabali Mutala, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 1991, P 61
7. Ambar Panjgoori, Baluchi Zaban E Batal, Mashmoola: Balochi Zaban o Adab, Murrattab: Abdul Qadir Shahwani, Quetta: Baluchi Academy, 2012, P55
8. Nargis Baloch, Associate Professor, Interview, Interveiwer: Author of the Article, At Govt Girls Degree Collage, Jinnah Town, Quetta, 3October2023
9. Zahoor Shah Hashimi, Syed, Baluchi Zaban o Adab ki Tareikh, Karachi: Syed Hashmi Academy, 1986, P275-76
10. Zahoor Shah Hashimi, Syed, Baluchi Zaban o Adab ki Tareikh, P280
11. Shah Muhammad Murree, Dr, Baluchi Zaban o Adab, P71-72
12. As Above, P42
13. Ghouse Bux Sabir, Baluchi Adab, Islamabad: Pakistan Academy of Letters, 1999, P163
14. Inam Ul Haq Kousar, Dr, Baluchistan mein Urdu ki Qadeem Dafatri Dastaveezat, Islamabad: Muqtadra Qaumi Zaban, 1986, P4
15. Inam Ul Haq Kousar, Baluchistan-Chand Pehloo, Quetta: Idara-I Tasnif-o Talif Baluchistan, 2005, P66
16. Atash Durrani, Dr, Pakistani Zabanon ki Tadrees, Lahore: Nazir Sons Educational Publishers, 2014, P36
17. Sami Parwaaz, Dr, Azab Lamhon kay Gham Kady mein, Turbat: Jamshed Publications, 2009, P116